امام انقلاب

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ

حالات ، جلاوطنی و اَفکار

مرتب

حافظ محمد ابوبکر شیخ
ڈپٹی ایڈیٹر ماہنامہ الجمعیۃ، راولپنڈی

گزارش اَحوالِ واقعی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

18 اگست 2019ء کو حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی یاد میں ایبٹ آباد پریس کلب کے ہال میں منعقدہ سیمینار میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی، سیمینار کے مہمان خصوصی حضرت مولانا زاہد الراشدی تھے۔ اس سنجیدہ اور باوقار پروگرام کی صدارت شہر کی مرکزی جامع مسجد کے خطیب مولانا عبد الواجد نے کی۔ میزبان مولانا شکیل اختر جدون اور ان کے رفقاء تھے۔ پروفیسر وقار احمد کا مقالہ حضرت سندھیؒ کی تفسیری خدمات پر تھا، انہوں نے پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ بھی اسی عنوان سے جمع کروا رکھا ہے۔ مولانا اورنگ زیب اعوان نے حضرت سندھیؒ کی شخصیت، افکار اور خدمات پر طبع ہونے والی کتب کا تعارف پیش کیا۔ نامور مقامی عالم دین شیخ نذیر احمد احمد زئی نے حضرت سندھیؒ کے افکار کے حوالے سے افراط و تفریط کا شکار لوگوں کا محاکمہ کیا۔

احقر نے حضرت سندھیؒ کی جلاوطنی کے بعد کے افکار و خدمات پر گفتگو کی، مذکورہ سیمینار میں کی گئی اس گفتگو کو حذف و اضافات کے ساتھ تحریری شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

(محمد ابوبکر شیخ)

یہ بات حقیقت ہے کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ دیوبند کے خیر القرون کی شخصیت ہیں، آپؒ تحریک شیخ الہندؒ المعروف تحریک ریشمی رومال کے روح رواں تھے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے حکم پر 1915ء میں حضرت سندھیؒ افغانستان تشریف لے گئے، وہاں سات سال قیام کے دوران تحریک کو اقدامی مرحلے (قتال) کے لیے منظم و مرتب کیا، یہ مرحلہ یاغستان (باغیوں کا خطہ) میں سرانجام دیا جانا تھا، یاغستان حویلیاں سے آگے ڈیورنڈ لائن سے متصل موجودہ صوبہ کے پی کے کے انتہائی شمال سے انتہائی جنوب کی طرف قبائلی علاقہ جات پر مشتمل تھا، مولانا سیف الرحمن قندھاریؒ، حاجی صاحب ترنگ زئیؒ، مولانا عزیر گل کاکاخیلؒ، خان عبدالغفار خانؒ اس مرحلے کے فیلڈ کمانڈر کہے جا سکتے ہیں، قبل اس کے کہ یہ مرحلہ آتا اور غلام برصغیر میں موجود تحریک شیخ الہند کی سیاسی و دینی قیادت (جو مولانا ابوالکلام آزاد، حکیم اجمل خان، شاہ عبدالرحیم رائے پوری وغیرہم پر مشتمل تھی) نفیر عام کا فیصلہ کرتی تحریک کے راز فاش ہو گئے، برطانیہ سے سر رولٹ کی قیادت میں تحقیقاتی مشن آیا، اس کی تحقیقات کی روشنی میں غلام برصغیر پر رولٹ ایکٹ کا نفاذ ہوا جو بدترین درجے کا مارشل لاء تھا۔

رولٹ کمیٹی نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے بارہ میں کہا:

''تجاویز تیار کرنے اور منصوبے بنانے میں عجیب وغریب اور غیر معمولی دماغ کا آدمی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی بڑی سلطنت کا حکمران ہے''

کابل میں قیام کے دوران جلاوطن حکومت کی تشکیل 1916ء میں کی گئی، مولانا عبیداللہ سندھیؒ اس میں وزیر داخلہ تھے، راجہ مہندر پرتاب سنگھ صدر، مولانا برکت اللہ وزیر اعظم، مولوی محمد علی قصوری وزیر خارجہ، ملا محمد بشیر وزیر دفاع تھے۔

افغانستان اور برطانیہ کے درمیان معاہدۂ راولپنڈی 1921ء میں عمل میں آیا، اس کی رو سے افغانستان کی آزاد حیثیت کو برطانیہ نے تسلیم کیا۔ معاہدۂ پنڈی سے متعلق خود برطانویوں نے تسلیم کیا کہ دراصل یہ معاہدہ عبیداللہ سندھی کی کامیابی ہے۔

حضرت سندھیؒ کے افغانستان میں سات سالہ قیام کے دوران 1922ء میں کانگریس کمیٹی کابل میں بنائی گئی جو انڈین نیشنل کانگریس کی شاخ تھی، اس کمیٹی کا الحاق انڈین نیشنل کانگریس نے اپنے

اجلاس (منعقدہ ''گیا'') میں منظور کیا۔ کابل میں بنائی گئی کمیٹی کے صدر مولانا عبید اللہ سندھی تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی اسارت مالٹا سے واپسی ہوئی، 1920ء میں وفات، اس پر افغان حکمران امان اللہ خان نے مولانا سندھی کو وزارت خارجہ میں بلا کر ان سے تعزیت کی مزید یہ کہ افغان حکومت کی طرف سے فاتحہ خوانی کی مجلس منعقد کی گئی تقریباً چالیس ہزار آدمیوں کو کھانا کھلایا گیا، اس موقع پر افغانستان کے سربراہ نے تاریخی جملہ کہا:

''محمود حسن ایک نور ہے جس کی روشنی میں ہم بہت کچھ دیکھ سکتے ہیں''۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی نے کابل میں ایک یونیورسٹی قائم کرنے کا بھی سوچا مگر وہاں کے حالات بتدریج حضرت سندھیؒ کے قیام کے لیے موافق نہ رہے اور نومبر 1922ء میں انہیں افغانستان چھوڑنا پڑا۔

مدیر خدام الدین لاہور مولانا سعید الرحمن علویؒ نے 1984ء کے کراچی سیمینار زیر اہتمام جمعیۃ طلباء اسلام میں کہا تھا:

''حضرت سندھیؒ کا ایسے وقت میں افغانستان میں قیام رہا ہے جب وہ ایشیا کا سویئزر لینڈ تھا۔''

حضرت سندھیؒ کا ماسکو میں آٹھ ماہ قیام بھی بالشویکیوں کی کامیابیوں اور فتوحات کے بعد رہا۔ لینن، سٹالن کے عہد میں سوویت یونین نئے نظریات کو پہلی جنگ عظیم کے مفتوحہ علاقوں پر زبردست قوت نافذہ سے پھیلا رہا تھا، روس اس جنگ کا سب سے بڑا فاتح تھا۔ ایسے میں حضرت سندھیؒ کا قیام کمیونزم کے مراکز میں رہا۔ حضرت سندھیؒ براستہ بخارا روس میں داخل ہوئے۔ کانگریس کمیٹی کابل کی صدارت اور تحریک ریشمی رومال کے احوال کے پس منظر میں روسی حکومت نے حضرت سندھیؒ کو سرکاری مہمان کی حیثیت اور رہائش کے لیے جگہ دی، روس میں حضرت سندھیؒ آٹھ ماہ رہے۔ ظفر حسن ایبک، اقبال شیدائی اور مولانا عزیز احمد (حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے بھائی) وغیرہ کو روس میں حضرت سندھیؒ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ روس قیام کے دوران حضرت سندھی بالشویک مرکز لینن گراڈ (سینٹ پیٹر برگ) بھی گئے جہاں ان کے میزبان روسی عالم دین مولانا موسیٰ جار اللہ تھے۔ حضرت سندھیؒ کی روسی پولٹ بیورو (کابینہ) کے رکن مسٹر چیچرن سے تین ملاقاتیں ہوئیں۔ مولانا سندھیؒ کے رفقاء نے ماسکو اور لینن گراڈ میں قیام کے دوران بالشویک

نظریات وافکار کو پڑھا، کمیونزم کی حقیقت کو سمجھا اور مارکس کی تعلیمات پر ایک کامیاب انقلاب کی وجوہات پر غور وخوض کیا۔

مولانا سندھیؒ کے رفقاء جو کچھ وہاں رہ کر دیکھتے، سنتے، پڑھتے، سمجھتے اس پر حضرت کے ساتھ بیٹھ کر تبادلہ خیال ومذاکرہ کرتے، حضرت سندھیؒ تعلیمات الٰہیہ کی روشنی میں ولی اللّٰہی اور قاسمی اُصولوں پر ان کی چھان بین اور تطہیر کرتے تھے۔ آپؒ نے مختصراً الفاظ میں اس مشن کا حاصل یوں بیان فرمایا:

''میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ماسکو (بالشویک) کی تحریک کا مفصل مطالعہ کرنے کے بعد اپنے عقائد محفوظ رکھ سکا، میرے اس مطالعہ کا نتیجہ ہے کہ میں اپنی مذہبی تحریک (جو امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کی شاخ ہے) کو اُس زمانہ کے لادینی حملے سے محفوظ کرنے کی تجاویز سوچنے میں کامیاب ہوا، اور ہندوستان (متحدہ برصغیر پاک و ہند) جیسے ملک میں باطمینانِ خاطر کام کرنے کا راستہ متعین کر سکا۔''

روس سے جولائی 1923ء میں مولانا عزیز احمد کے ہمراہ روانہ ہو کر براستہ بحر اسود انقرہ (انگورہ، ترکی) پہنچے۔ اکتوبر 1923ء میں جب انگریزوں سے قسطنطینیہ (استنبول) خالی کروایا گیا تو آغازِ نومبر میں حضرت سندھیؒ استنبول منتقل ہو گئے۔

اَسفار کے تیسرے مرحلے میں جب حضرت سندھیؒ ترکی پہنچے تو چھ سو سال سے زائد عرصہ سے قائم عظیم الشان عثمانی خلافت دنیا کے نقشے سے ختم ہو چکی تھی۔ یاد رہے کہ یہ خلافت ایشیا، افریقہ اور یورپ کے تین براعظموں کے بہت بڑے جغرافیہ کا احاطہ کیے ہوئے تھی، یورو ایشین آرمینیائی حصے میں بغاوتیں، جنوب مشرقی یورپ (بلقان وغیرہ) کی جنگوں، ولایتِ شام کے رومی دروزی تصادم اور عربوں کی بغاوتوں کی وجہ سے عثمانی ترکی کو یورپ کا ''مردِ بیمار'' کہا جاتا تھا، جنگ عظیم اول میں صلیبی گِدھوں (برطانیہ، روس، فرانس، یونان وغیرہ) نے اس کے وجود کو نوچ کھایا، جنگ کے خاتمہ (1919ء) کے وقت عثمانی ترکوں کی شکست واضح ہو چکی تھی اس کے نتیجے میں اس خلافت کے وسیع و عریض جغرافیہ پر چالیس کے قریب نئے ملک بننے جا رہے تھے، پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد بھی خود ترکی کو اپنی بقا کے لیے اپنی بہادر اَفواج کے تقریباً دو لاکھ جوانوں کی شہادتوں (تفصیل کے لیے دیکھیے: معاہدہ سیورے، معاہدہ لوزان، گیلی پولی کا معرکہ، اَبنائے باسفورس کے قبضہ اور حقوق کی جنگ وغیرہ) کے طفیل ایک نئی زندگی اور ماضی کے مقابلے میں کہیں چھوٹا جغرافیہ مل رہا تھا، ترک قومی

قیادت اس پر ایک قومی جمہوری ترکی قائم کر رہی تھی۔ حضرت سندھیؒ عین انہی ماہ و ایام میں ترکی پہنچ گئے، انقرہ میں تین ماہ قیام کیا تھا کہ ترک افواج نے قسطنطنیہ صلیبیوں سے واپس حاصل کر لیا۔ حضرت استنبول (قسطنطینیہ) منتقل ہو گئے۔

1924 میں استنبول سے حضرت سندھیؒ نے آزاد برصغیر کے لیے اپنا انقلابی پروگرام جاری کیا، مولانا سندھی مرحوم کا یہ بہت اہم اور جامع پروگرام تھا، اس پروگرام میں ریاست، سیاست، حکومت اور تعلیم کے رہنما اُصول بیان کیے گئے تھے۔

(۱) برصغیر کثیر قومی ملک ہے، اس کے مختلف حصوں میں زبان، تمدن، جغرافیہ اور قوم کی بنیاد پر ذیلی ریاستیں (Dominion States) بنیں گی، خواہ ان کی تعداد ماضی کی طرح پانچ یا سات سو ہو جائے۔

(۲) ان ریاستوں کو داخلی خود مختاری حاصل ہوگی۔

(۳) نظام حکومت وفاقی طرز کا ہوگا۔

(۴) وفاق کے پاس صرف دفاع، اُمور خارجہ اور مواصلات کے شعبے ہوں گے۔

(۵) وحدت انسانیت کی بنیاد پر نظام تعلیم مادری زبان و رسم الخط میں ہوگا۔

(۶) بلا تفریق رنگ، نسل اور مذہب ہر ایک کے لیے مڈل تک تعلیم لازمی ہوگی۔

(۷) ابتدائی فوجی تربیت (NCC) لازمی ہوگی۔

(۸) اُردو اس پورے خطے کے لیے رابطے کی زبان ہوگی۔

(۹) انگریزی بین الاقوامی روابط کے لیے اختیار کی جائے گی[۲]۔

(۱۰) ہر عاقل و بالغ مرد و عورت کو ووٹ کا حق دیا جائے گا۔

(۱۱) پارلیمنٹ (مجلس مقننہ) میں کسان، مزدور، دماغی کام کرنے والے، تاجر اور کارخانے دار اپنی اپنی آبادی کے تناسب سے اور اپنے ہی طبقہ سے اپنے نمائندہ چنیں گے تا کہ پارلیمان میں ہر طبقہ اور ہر شعبہ کا نمائندہ اس کے مفادات کے تحت اپنے طبقہ اور شعبہ کے تحفظ کو یقینی بنا سکے۔

حضرت سندھیؒ کے لائحہ عمل میں چھوٹے سے چھوٹے طبقہ یا لسانی و تہذیبی خصائص رکھنے والی مختصر جماعت کے ساتھ بھی ناانصافی کی گنجائش نہیں۔

حضرت سندھیؒ نے اپنے اس مجوّزہ انقلابی پروگرام میں اس بات کا خاص خیال رکھا کہ مجموعی نظام میں روح مذہب کے خلاف کوئی چیز نہ کیونکہ حضرت سندھیؒ پکے سچے مذہبی مسلمان تھے، خود

صوفی تھے، پختہ عالم تھے اور بخوبی جانتے تھے کہ برصغیر کئی ہزار سال سے باخدا خطہ ہے۔

بنظر عمیق دیکھا جائے تو حضرت سندھیؒ اپنے خطے کو پر امن دیکھنا چاہتے تھے، اس کے لیے انہوں نے چھوٹے چھوٹے انتظامی یونٹ، ڈھیلا ڈھالا وفاق، علاقائی ممالک کے اتحاد سے امن و معیشت کی ترقی کے رہنما اُصول بیان کیے، حضرت سندھیؒ ایسا نظام و نصاب تعلیم چاہتے تھے جو علم و ہنر کے مساویانہ امتزاج پر مشتمل ہو۔

Ubaidullah Sindh:

The Pioneer of Regional Unificational Thoughts

مولانا عبیداللہ سندھیؒ: علاقائی ممالک کے اتحاد کے اوّلین داعی

حضرت سندھیؒ نے داخلی معاملات کے لیے رہنما اُصول اور پروگرام دینے کے علاوہ بین الاقوامی تعلقات خصوصًا امپیریلزم، سرمادار یت کی بیخ کنی کے لیے علاقائی ممالک کا اتحاد قائم کرنے کی ترکیب بھی بیان کی۔ حضرتؒ سندھی نے فرمایا:

"پہلے مرحلے میں برصغیر اور ایران و افغانستان کا ایشیائٹک فیڈریشن بنایا جائے، جبکہ دوسرے مرحلے میں سوویت روس (وسطی ایشائی ریاستوں) کو اس میں شامل کرلیا جائے۔"

موجودہ جیو پولیٹیکل منظر نامہ میں ان ممالک کی تعداد ایک درجن سے زائد ہے اور یہ ممالک دنیا کی کل آبادی کے دو تہائی حصے پر مشتمل ہیں۔ فی الوقت شنگھائی تعاون تنظیم کو حضرت سندھی کے ایشیائٹک فیڈریشن کے تصور کے قریب تر کہا جا سکتا۔

حضرت سندھیؒ کے تجویز فرمودہ اصول کو مدنظر رکھیں تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ تنظیم حضرت سندھیؒ کے نتیجہ فکر کے مطابق یورپین و امریکی سرمایہ درانہ نظام کو چیلنج کر رہی ہے اور حضرت سندھی کے تجویز کردہ جغرافیائی خطہ اور ممالک پر ہی مشتمل ہے تاہم ایک جوہری فرق واضح رہنا چاہیے کہ ایشیائٹک فیڈریشن کے قیام کی صورت میں برصغیر پاک و ہند (جو اَب چار پانچ حصوں میں منقسم ہے) کو وہی حیثیت و مقام حاصل ہونا تھا جو آج شنگھائی تعاون تنظیم میں چین کو حاصل ہے۔ عین ممکن تھا کہ ایشیائٹک فیڈریشن کے قیام سے پانچ عالمی طاقتوں میں سے ایک طاقت، ویٹو پاور جیسا کہ عوامی جمہوریہ چین ہے، متحدہ برصغیر پاک و ہند ہوتا۔

حضرت سندھیؒ کے دیے گئے اس پروگرام کو پچانوے سال بیت گئے ہیں، آج اگر ہم پاکستانی

اپنے پڑوسی ملک چین سے مل کرسی پیک کے مختلف منصوبوں کو پایہ تکمیل کو پہنچا رہے ہیں تو اس کا ممکنہ نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ ایشائی ممالک ایران، افغانستان وسطی ایشیائی ممالک اور کسی مرحلے میں بھارت بھی اس کا حصہ بن جائے، امریکہ اور دیگر سرمایہ پرست ممالک کے لیے اس طرح سات سمندر پار سے آ کر ہمارے خطے میں سیاسی بالا دستی اور اقتصادی ترقی کے مواقع محدود ہو جائیں گے، یاد رہے کہ حضرت سندھیؒ نے علاقائی تعاون واتحاد کا مندرجہ بالا تصور یورپی یونین، نیٹو وسارک وغیرہ کے فورمز کے قیام سے دہائیوں پہلے پیش کیا۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ یورپی صنعتی ترقی کو قبول کرنے کو کہتے اور فرماتے تھے کہ یورپی صنعتی کارکن کی طرح چست لباس پہنو اور ہنر و تکنیک کا استعمال سیکھو اور صنعتی ترقی کا سلسلہ بناؤ۔ اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا:

''میں چاہتا ہوں کہ یورپ کی اس مادی ترقی کو تسلیم کرلیا جائے یعنی علم اور سائنس کی ترقی کو ہم زندگی کی اَساس کی حیثیت دیں لیکن یہ نا سمجھیں کہ سائنس نے ساری زندگی کا احاطہ کرلیا ہے، بے شک سائنس نے مادی دنیا میں جو انکشافات کیے ہیں وہ سب صحیح ہیں لیکن زندگی صرف مادہ تک ختم نہیں ہوجاتی بلکہ یہ مادہ کسی اور وجود کا پرتو ہے اور اس وجود کا مرکز ایک اور ذات ہے جو خود زندگی ہے اور زندگی کا سہارا اور باعث بھی، وہی ذات ''اَلحیُ القیومُ'' ہے۔ میں مادییّن کے تصورِ کائنات کو سرے سے غلط نہیں مانتا لیکن اسے ناقص ضرور سمجھتا ہوں، مادی فکر کا منکر نہیں ہوں لیکن یہ جانتا ہوں کہ مادیت حقیقت کا صرف ایک رُخ ہے اور یہ رُخ بے شک حقیقت کے ایک پہلو کا صحیح ترجمان ہے لیکن حقیقت کا ایک اور پہلو بھی ہے جو مادہ سے ماورا اور بالاتر ہے، اس کو شرعی زبان میں ''آخرت'' کہا گیا ہے، زندگی کا مادی تصورِ حیات اس لحاظ سے ناقص ہے کہ وہ زندگی کے صرف ایک پہلو کی رونمائی کرتا ہے لیکن زندگی کا صحیح اور مکمل تصور ''آتنا فی الدنیا حسنۃً و فی الاآخرۃ حسنۃً'' ہے اور یہی تصور ہے جو زندگی کی ساری مادی اور ماورائے مادی کائنات پر حاوی ہوسکتا ہے''

حضرت سندھیؒ ترکی سے روانہ ہوکر براستہ اٹلی وسوئزرلینڈ اواخر اگست 1926ء میں حجاز پہنچے، مکہ مکرمہ میں حضرت سندھیؒ کا زیادہ وقت مطالعہ ودرس میں گزرتا تھا خصوصیت کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ

دہلویؒ کی تصانیف حجۃ اللہ البالغہ، بدورِ بازغہ، خیر کثیر، تفہیماتِ الٰہیہ، سطعات، لمعات، الطاف القدس وغیرہ، شاہ صاحبؒ کی تصنیفات کی کلید کے طور پر شاہ رفیع الدین دہلویؒ کی تکمیل الاذہان، شاہ اسمٰعیلؒ کی عبقات اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تقریر دلپذیر، قاسم العلوم، آبِ حیات وغیرہ سے استفادہ کیا، اس زمانہ کے علمی مشاغل کے بارہ میں حضرت سندھیؒ اپنی خودنوشت میں تحریر فرماتے ہیں:

''میں تقریباً 13، 14 سال سے قرآن عظیم اور حجۃ اللہ البالغہ کا بہ نظرِ عمیق مطالعہ کرتا رہا، تفسیر قرآن میں جس قدر مقامات میرے لیے مشکل تھے اُس زمانہ میں انہیں امام ولی اللہ دہلویؒ کے اُصول پر بالاطمینان حل کرلیا، جو لوگ میری طرح امام ولی اللہ دہلویؒ کو نہیں مان سکتے اُن کو مطمئن کرنے کا دعوٰی تو میں نہیں کرسکتا لیکن مجھے اپنے اصول پر قرآن عظیم میں اس زمانہ میں قابل عمل تعلیم کا ایک اعلیٰ نصاب نظر آیا، اُس میں اس تجلی ریز مقدس مقام کی تاثیر ضرور ماننی پڑتی ہے، میں نے امام ولی اللہ دہلویؒ کی مشہور کتابوں کا خاص طور پر مطالعہ جاری رکھا۔''

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی کتب سے دلچسپی کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ شاہ افغانستان نادر شاہ مرحوم کی جانب سے بھیجی گئی خطیر رقم اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کی بجائے حضرت سندھیؒ نے اس رقم سے حضرت شاہ صاحبؒ کی تصنیف فرمودہ مؤطا امام مالکؒ کی عربی شرح ''المسوّٰی'' کو چھپوا کر عرب وعجم میں تقسیم کروایا، یہ حضرت سندھیؒ کا عظیم علمی کارنامہ ہے[۳]۔

حضرت سندھیؒ کی وطن واپسی:

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کی وطن واپسی کے لیے کوششوں کا آغاز 1936ء میں ہوا۔ تقریباً دوسال بعد نومبر 1938ء میں اجازت ملی۔ جنوری 1939ء میں پاسپورٹ جاری ہوا۔ آپ حج بیت اللہ کی ادائیگی کے بعد 7 مارچ 1939ء کو کراچی کی بندرگاہ پر اُترے۔ یہاں آپ کا قیام حضرت مولانا محمد صادق صاحبؒ کے مدرسہ واقع کھڈہ میں رہا، وطن واپسی کے بعد جمعیۃ علماء بنگال کے اجتماع منعقدہ کلکتہ میں صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا۔ برصغیر کی تمام حریت پسند جماعتوں نے تہنیتی اجتماعات منعقد کیے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی رائے عالی:

1940ء میں حضرت سندھیؒ نے ماہنامہ الفرقان کے ''شاہ ولی اللہ'' رحمہ اللہ'' نمبر کے لیے

مقالہ املا کروایا۔ اس مقالے کو پڑھ کر علامہ سید سلیمان ندویؒ نے مدیر الفرقان حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کو لکھا:

”مولانا سندھی کے مضمون کو میں نے بغور پڑھا، اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ بے شک مولانا کی نظر حضرت شاہ ولی اللہ کے فلسفہ اور نظریات پر نہایت وسیع اور عمیق ہے۔“

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا تجزیہ:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ (مؤلف معارف الحدیث) 1980ء کے بعد کے مخصوص مسلکی، معروضی ماحول میں ایک قدآور اور انتہائی باوثوق و با اثر شخصیت سمجھے جاتے ہیں۔ حضرت سندھیؒ کے اس مقالے کو پڑھ کر آپ نے لکھا:

”چند مقامات میں تعبیر کی غرابت اور نکارت اور ایک آدھ جگہ مولانا کی منفرد رائے سے قطع نظر یہ مقالہ شاہ صاحب کی حکمت کا اجمالی تعارف ہی نہیں، بلکہ فی الحقیقت آپ کے علمی کام سے واقفیت اور علی وجہ البصیرت واقفیت کے لیے اس میں کافی سامان ہے۔ اور ولی اللہی علوم و معارف کے لیے بجا طور پر اس مقالہ کو بنیادی لٹریچر قرار دیا جاسکتا ہے، نیز اس کے مطالعہ کے بعد ہی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ولی اللہی حکمت پر مولانا سندھی کی نظر کس قدر گہری ہے، شاہ صاحب کے علوم و افکار کا انہوں نے کس قدر عمیق مطالعہ فرمایا ہے۔“

حضرت سندھیؒ کے ساتھ مولانا نعمانیؒ کا تعلق الفرقان کے شاہ ولی اللہ نمبر کے مقالہ لکھوانے سے کہیں بڑھ کر تھا۔ لیجیے حضرت نعمانیؒ کی اس حوالہ سے ایک اور تحریر ملاحظہ فرمائیں: ابتدائیہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہانپوری کا تحریر کردہ ہے:

”شعبان 1360ھ میں مولانا سندھی نے راندیر کے مدرسہ اشرفیہ کے جلسے میں شرکت فرمائی تھی۔ یہیں مولانا محمد منظور نعمانی ایڈیٹر الفرقان بریلی، سے ان کی ملاقات ہوئی اور تقریباً ایک عشرہ (دس دن) علاقہ سورت کا انہوں نے مولانا نعمانی کے ساتھ دورہ کیا۔ متعدد مقامات پر مدارس عربیہ میں تقریریں کیں اور علماءِ کرام سے ملاقاتیں کیں۔ بعد ازاں وہ مولانا نعمانی کے ساتھ بریلی تشریف لے گئے اور تین چار دن تک مزید مولانا نعمانی سے یکجائی کا موقع میسر آیا اور مختلف اَفکار و مسائل پر گفتگوئیں

ہوئیں۔ اِسی دوران مولانا نعمانی نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تصنیف ’’سطعات‘‘ کے بعض مشکل مقامات کے حل میں مولانا سندھیؒ سے استفادہ کیا۔ مولانا نعمانیؒ نے اس سفر میں حضرت سندھیؒ کی صحبت کے لطف اور ان سے استفادے کا ذکر الفرقان کے رمضان 1360ھ (ستمبر، اکتوبر 1941ء) کے شمارے میں کیا ہے۔ اس میں نہایت فکر انگیز اور ایمان پرور باتیں تحریر میں آئی ہیں۔ مولانا نعمانی لکھتے ہیں:

’’حسن اتفاق سے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ بھی اسی مدرسہ اشرفیہ کے جلسے میں مدعو تھے اور مجھ سے ایک روز پہلے راندیر پہنچ چکے تھے۔ اس پورے سفر میں ممدوح کی صحبت نصیب رہی۔ اس طرح قریبا ایک عشرہ شب و روز مولانا کے ساتھ رہنے اور استفادہ کرنے کا میرے لیے یہ پہلا موقع تھا۔ اس طویل صحبت ومعیت نے یہ یقین پھر تازہ کر دیا کہ خود مولانا کو اور ان کے مقاصد و نظریات کو سمجھنے کے لیے ممدوح کی طویل مصاحبت ضروری ہے، بالخصوص جس شخص کو دین میں سمجھ اور کام کرنے کی سوجھ بوجھ ہو اس (عالم) کے لیے تو خصوصیت سے مولانا کی صحبت اور ہوش مندی کے ساتھ استفادہ بہت بڑی چیز ہے۔

ان سفری صحبتوں میں مولانا سے بہت سی ایسی معلومات بھی حاصل ہو سکیں جن کا معلوم رہنا ہندوستان میں کچھ کام کرنے کا ارادہ رکھنے والے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ لیکن مولانا کے علاوہ شاید دو چار ہی حضرات کے علم میں وہ چیزیں ہوں گے۔ اس سفر کے بعد میری استدعا پر مولانا ممدوح تین چار روز کے لیے بریلی بھی تشریف لائے اور اس مختصر صحبت میں حضرت شاہ ولی اللہ کی کتاب سطعات کے کچھ حصے موصوف سے سبقاً سبقاً پڑھنے کا بھی موقع ملا جو مولانا سندھی کی رہنمائی کے بغیر میرے لیے ناقابل حل تھے‘‘

حضرت سندھی کی قرآن فہمی، ولی اللّٰہیت اور مولانا غلام رسول مہر کا تجزیہ:

حضرت سندھیؒ کی جلاوطنی کے خاتمہ، وطن واپسی اور بعد کی سرگرمیوں کی خبریں روزنامہ انقلاب میں بھی نمایاں شائع ہوتی رہیں۔ روزنامہ انقلاب کے شذرات میں بھی حضرت سندھیؒ کے اَفکار کو مولانا مہرؒ نے موضوع بنایا۔

”قرآن حکیم کے حقائق پر (حضرت سندھی کی) بڑی وسیع نظر تھی، جب کبھی کسی آیت کے متعلق کوئی اُلجھن ان کے سامنے پیش کی جاتی تو بے توقف نہایت سادہ اور سہل انداز میں اس کا ہر پہلو اَذعان افروز طریق پر واضح فرما دیتے، ان کی زبان مبارک سے قرآن حکیم کی مختلف سورتوں یا ٹکروں کی تفسیر سن کر عامی کے دل میں بھی کلام الٰہی کی عظمت کا خاص احساس ہو جاتا تھا“۔

”مولانائے محترم (حضرت سندھی) اسلامیان ہند میں علم و عمل کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے اور تمام عالم اسلام آپ کے علمی کمالات اور بلند پایہ نادر تحقیقات کا معترف تھا“۔

”جس پروگرام کو مولانا مرحوم (حضرت سندھی) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے منسوب فرماتے تھے، اس کی تفصیلات میں اختلاف ہوسکتا ہے؟ یعنی یہ ممکن ہے کہ بعض اہل علم کے نزدیک مولانا کے تمام انتسابات درست نہ ہوں۔ لیکن خود مولانا جب شاہ صاحب مرحوم و مغفور کی تصنیفات سامنے رکھ کر ایک ایک شق کی تائید میں اقتباسات پیش کیا کرتے تھے تو ان کے دعوی بہت ہی پختہ اور محکم معلوم ہوتے تھے۔ کم از کم شاہ صاحب کی تصانیف پر عبور اور وقعت نظر کے ساتھ اس کے مطالعہ کی ایسی مثالیں بہت کم ملیں گی۔ جیسے کہ مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم و مغفور تھے“۔

حضرت مولانا عبیداللہ انور رحمہ اللہ کی گواہی:

مولانا عبیداللہ سندھی کو بجا طور پر تعلماتِ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے سب سے بڑے شارح کی حیثیت حاصل ہے۔ جمعیت علماء اسلام کے مرکزی امیر حضرت مولانا عبیداللہ انور رحمہ اللہ خدام الدین، 14 نومبر 1983ء کی اشاعت میں لکھتے ہیں:

”(پروفیسر محمد) سرور صاحب[5] فطرت کا عطیہ تھے جن کی دریافت مولانا سندھی ہیں اور مولانا سندھی نے ہمارے لیے شاہ ولی اللہ کو دریافت کیا اور شاہ ولی اللہ نے خیر القرون سے لے کر اپنے دور تک اسلام کی فلاسفی کو جس طرح مدون کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی، لیکن افسوس کے مسلمانوں نے اپنے محسنوں کی قدر نہیں کی جس کی سزا بھی انہیں ہمیشہ ملی لیکن اب وہ دور جلد آرہا ہے کہ امام ولی اللہ کے افکار و آراء اور ان کے ذہنی کمالات کی مہریں ہر مفکر اسلام کے نظریات پر ثبت نظر آئیں گی، ان شاء اللہ العزیز“۔

24 سال کی غریب الوطنی سے واپسی پر حضرت سندھی کی عمر اڑسٹھ سال تھی ۔ پردیس کی مشقتیں، اغیار کی چیرہ دستیاں، اپنوں کی پے در پے غداریاں اور ناکامیاں حضرت کو بالکل متاثر نہ کر سکیں، وہ شعوری مسلمان تھے، بچپن سے مطالعہ وتحقیق کی عادت تھی۔ قبولیت حق کے لیے جرات بھی رکھتے تھے، غیر معمولی ذہین تھے۔ قبولیت اسلام سے تادم آخر سراپا علم وعمل رہے۔ بے مقصدیت، بے عملی یا انجماد ان کے افکار و شخصیت کے قریب بھی نہیں آ سکے، آ بھی کیسے سکتے تھے؟ حضرت تین خانقاہوں کے باقاعدہ تربیت یافتہ تھے، وقت کے سب سے بڑے مجاہد، سب سے بڑے معلم و شیخ مولانا محمود حسن دیوبندی کی مکمل سرپرستی کے حامل تھے ۔ دارالعلوم دیوبند جیسی درسگاہ میں حصول تعلیم کے علاوہ پختہ عمر میں جمعیۃ الانصار (اَبنائے دارالعلوم کی تنظیم) کی نظامت اور سرگرمیوں کے لیے دیوبند ٹھہرنے کا خوب موقع مل چکا تھا۔ درسی کتب کے ساتھ ساتھ اساتذہ بلکہ کامل اساتذہ سے خارجی مطالعہ میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ حضرت نے جو حق نہیں تھا، بچپن میں اس کو ترک کیا تھا۔ والدہ بہنیں اور اعزہ کو ایک طرف کر دیا۔ مرشد و مربی کو بمنزلہ والد قبول کیا ۔اسی روحانی باپ کی دھرتی سے نسبت کا لاحقہ اپنے نام کا مستقل حصہ بنایا۔ مرشدوں، استادوں نے جو ذمہ داری سپرد کی، اس کو بھی پوری لگن سے سرانجام دیا۔ ملکوں، ملکوں کے نت نئے افکار وخیالات کو سنا، پڑھا اور سمجھا، مگر اپنی دھرتی سے دست بردار ہوئے، نہ اپنے مشائخ واساتذہ کے علوم وافکار اور روایت سے ذرا برابر پیچھے ہٹے۔ جلاوطنی سے پہلے اور بعد کی سرگرمیوں کی بنیاد پر ہم دوٹوک کہہ سکتے ہیں کہ حضرت سندھیؒ اپنی مثال آپ تھے، اپنے معاصر علماء سے کہیں گہری اور وسیع نظر سے قومی اور بین الاقوامی حالات، واقعات اور نظریات کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تعلیمات کی روشنی میں بخوبی سمجھتے تھے، مزید برآں آپ حقیقت حق کے اظہار میں کسی درجہ میں بھی کتمان حق کے روادار نہیں ہوتے تھے۔

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کا تقسیم برصغیر کے بعد ہندوستان ٹھہرنا، بہت بڑا اور دوررس نتائج کا حامل جرات مندانہ فیصلہ تھا۔ حضرت مدنی کے پاس مدینہ شریف اور حجاز میں کہیں بھی منتقل کی سہولت موجود تھی۔ حضرت سندھی کا پیرانہ سالی میں تجلی ریز مقامات مقدسہ (اماکن الراغب) سے وطن واپسی حضرت مدنیؒ کی مشاورت سے ہوئی تھی۔ اس طرح ان دو بزرگوں کے یہ فیصلے دین، ملک، قوم اور مجموعی انسانیت کی خدمت وراہنمائی کے لیے ہی تھے۔ حضرت مدنی اور

حضرت سندھی کے مذکورہ بالا فیصلے اجتماعیت، عزیمت اور مجاہدے کے مثالی نمونے ہیں۔ ان میں ہمارے لیے سبق موجود ہے کہ مخلص قائدین وراہنما وہ ہیں جو دین، ملک وقوم اور مجموعی انسانیت کے لیے سوچتے اور جدوجہد کرتے ہیں، اسلام کو آفاقی نظریہ کے طور پر اپناتے ہیں اور اگلی نسلوں تک پہنچاتے ہیں اور اس کے لیے بڑی سے بڑی ذاتی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

اس مقالہ کے راقم الحروف (محمد ابوبکر شیخ) کی دِلی تمنا ہے کہ تاریخ اور سیاسیات میں ایم فل اور پی ایچ ڈی لیول کے طلباء وطالبات راقم کے اس مقالہ میں امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے بیان کردہ انقلابی پروگرام کو اپنی تحقیق کا موضوع بنائیں اور 1916ء کے میثاق لکھنو، 1924ء میں حضرت سندھیؒ کے فراہم کردہ انقلابی پروگرام، 1928ء کی نہرو رپورٹ، 1930ء میں علامہ اقبالؒ کے خطبہ الٰہ آباد اور لاہور میں 23/مارچ 1940ء کی قرارداد پاکستان کے متون سے تقابلی جائزہ (Comparative Contents Analysis) پیش کر کے حقائق واضح کرنے میں آئندہ نسل کی رہنمائی کریں۔ اَحقر کے خیال میں تاریخ کا یہ قرض آج کے طلبا کے کاندھوں پر ہے اور انہیں اس کو اُتارنے کی فکر کرنی چاہیے۔

شومئ قسمت کہ قیام پاکستان کے بعد زمام اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھ آیا جنہوں نے فوری طور پر ملک کی عوام کے لیے سوچنے سمجھنے فیصلے کرنے اور قانون وآئین سازی کے مراحل میں حکمت عملی ترتیب دینے کی سنجیدہ کوششیں نہیں کیں، ایک قوم کی تشکیل کے لیے نظام ونصاب تعلیم کی کیا اہمیت ہوتی ہے؟ اس پر سرے سے کام ہی نہیں کیا گیا، پاکستان کا نظام تعلیم اس تناظر میں ”خودرَوْ“ ہے یا اسے نوآبادیاتی نظام کا تسلسل کہا جا سکتا ہے،، نظام تعلیم ونصاب کی تشکیل کے لیے ہمارے حکمرانوں نے حضرت سندھیؒ کی تعلیمی سکیم سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ ہمارے حکمرانوں نے علی گڑھ اور دیگر کامیاب تعلیمی اداروں اور ماہرین تعلیم کے افکار سے کماحقہ استفادہ نہیں کیا، اس ”خودرو“ نظام تعلیم ونصاب سے بتدریج اب تک ”شتر بے مہار“ کی طرح کئی قسم کے تعلیمی سلسلے پھیل چکے ہیں جو قوم کو فکری اور عملی انتشار میں مبتلا کر رہے ہیں، ذہنی آوارگی، بے مقصدگی اور نفرتوں کو جنم دے رہے ہیں۔

یہ المیہ رہا ہے کہ حضرت سندھیؒ کے ساتھ ان کے ہم مسلک وعقیدہ لوگوں کے ایک بہت بڑے گروہ نے بھی بے اعتنائی برتی، بعض اَحباب نے مظلوم سندھیؒ سے عقیدت کے رشتے تو قائم

کیے لیکن ان کے افکار پر کام نہیں کیا۔

ہماری صورت حال یہ ہے کہ گزشتہ تیس چالیس سال کے پر تشدد، جذباتی اور رومانوی عہد کے خاتمے کے بعد ہمیں اب فرصت ملی ہے کہ ہم حضرت سندھیؒ کے اَفکار پر بات کریں، کیونکہ مذکورہ عرصے کی مصروفیات، محنت اور قربانیوں کے بعد ہمیں صرف (set Mind) کا ''تمغہ'' ملا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم آج کے سولات، اعتراضات اور الزامات کے جواب میں سنجیدگی سے اپنا موقف تیار کریں اور ایک سوچے سمجھے موقف پر اپنی جدو جہد استوار کریں۔ اس حوالے سے مجھ جیسے کالجیٹس، سینئر علماء کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ وہ دشمن کے فکری اور نظریاتی حملوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کیا حکمت عملی فراہم کرتے ہیں اور میدان عمل میں کیا کردار ادا کرتے ہیں؟

حضرت سندھیؒ کی وفات و تدفین:

حضرت سندھی دارالرشاد پیر جھنڈا سے اپنے نواسے میاں ظہر الحق دین پوری کے ہمراہ اشد بیماری کی حالت میں دین پور پہنچے اور دو روز بعد 21 اگست 1944ء کو انتقال فرما گئے۔ آپ کو حضرت خلیفہ غلام محمد کے قریب دین پور میں سپرد خاک کیا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حواشی

۱؎ مولانا محمد سعید الرحمن علوی مرحوم (م: ۱۹۹۴ء) ایک احراری بزرگ مولانا محمد رمضان علوی (فاضل دیوبند) کے بیٹے تھے، بھیرہ سے تعلق تھا، مدرسہ نصرت العلوم کے فاضل تھے، حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب ''الشریعۃ'' کے ''یادرفتگان نمبر'' میں لکھتے ہیں:

> ''مجھ سے ایک دو سال پہلے دورہ حدیث کیا، لکھنے پڑھنے کا شوق مشترک تھا، اس قدر مشترک نے طالب علمانہ رفاقت کو بے تکلف دوستی میں بدل دیا۔''

قبلہ راشدی صاحب جن دنوں جمعیت علماء اسلام پاکستان کے آرگن ''ترجمان اسلام'' کی مجلس ادارت کے رکن تھے انہی ماہ و سال میں علوی صاحب مرحوم اس کے لکھاری تھے بعد ازاں علوی صاحب ہفت روزہ خدام الدین کے مدیر بنے۔ علوی صاحب جمعیت علماء لاہور کے فعال امیر رہے۔ محمد سعید الرحمن علوی کا قلم نقد و تبصرے میں بے باک ہوا کرتا تھا۔

علامہ محمد ادریس اعوان، احقر (محمد ابوبکر شیخ) و رفقاء نے 1986ء میں ''ہفت روزہ ابابیل

لاہور'' کا اجرا کیا۔علوی صاحب نہ صرف ''ابابیل'' میں مضامین لکھتے تھے بلکہ اس کی مکمل سرپرستی کرتے تھے۔

''اسلامی حکومت کا فلاحی تصور'' کے عنوان سے مولانا سعیدالرحمن علوی کے مضامین کا ایک مجموعہ بھی شائع ہوا۔

۲۔ وطن واپسی کے بعد ایک موقع پر حضرت سندھیؒ نے دیوبند اور اس طرح کے دیگر دینی مدارس کے فارغ التحصیل حضرات کے لیے بذریعہ مولانا عبیداللہ انورؒ یہ نصیحت فرمائی کہ وہ عملی میدان میں اُس وقت تک قدم نہ رکھیں جب تک انگریزی میں بی۔اے سطح تک کی استعداد حاصل نہ ہو جائے اور یہ بھی فرمایا کہ انگریزی ڈائریکٹ میتھڈ (طریقہ مبشرہ) سے سیکھو۔مولانا عبیداللہ انورؒ سے مزید فرمایا کہ مولانا حسین احمد مدنی یا اپنے والد (حضرت لاہوریؒ) سے ذکر قلبی کرنے کا طریقہ معلوم کرلو پھر تمام عمر تم اور تمہاری عمر کے نوجوان کم از کم ایک گھنٹہ یومیہ ضرور لطیفہ قلبی کا ذکر کریں، اس کی برکت سے ان شاء اللہ کسی دجل اور دجال کا کبھی اثر نہیں ہوگا۔

۳۔ مؤطا امام مالکؒ کی علمی اہمیت کو وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جو اسلامی فلسفہ وحکمت میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مقام سے آشنا ہیں نیز یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ مؤطا امام مالک کو ''اَصح الکتب بعد کتاب اللہ'' مانتے تھے کہ مؤطا خیرالقرون کی تصنیف ہے۔

ولی اللّٰہی محدثین کے نزدیک مؤطا امام مالکؒ ایسی مرکزی کتاب ہے جس پر سارے فقہاء و محدثین متفق ہیں نیز مؤطا میں درج روایات کی خصوصیت یہ ہے کہ راویوں کی پرکھ زیادہ مشکل نہیں، مزید یہ کہ حدیث کی کتابیں صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، ابوداؤد، نسائی، مؤطا ہی کی شرحیں ہیں۔

مزید یہ کہ ولی اللّٰہی محدثین کے نزدیک مؤطا امام مالکؒ کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے:

(۱) مسند اور مرسل اَحادیث (۲) حضرت عمرؓ کے فیصلے (۳) حضرت ابن عمرؓ کے فتاوٰی (۴) اکثر صحابہ کرامؓ کے فتاوٰی (۵) فقہاءِ مدینہ کے فتاوٰی کو جمع کیا گیا ہے

یادرہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے مؤطا امام مالکؒ کی فارسی شرح بنام ''مصفّٰی'' بھی تحریر فرمائی تھی، یہ منفرد مقام بھی مؤطا امام مالکؒ ہی کو حاصل ہے کہ دو مقبول اور مروجہ زبانوں (عربی وفارسی) میں اس کی شروح لکھی گئیں اور انہیں قبول عام بھی حاصل ہوا۔

۴۔ مولانا غلام رسول مہر: سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، معرکہ بالاکوٹ اور تحریک مجاہدین کے واقعات و حوادث کی حقیقت کشا قلم بندی اور اشاعت کا سہرا مولانا غلام رسول مہر کے سر ہے۔مولانا مہر مرحوم متنوع خدمات کی وجہ سے برصغیر پاک و ہند میں ایک قدآور اور مسلمہ شخصیت ہیں۔مہر صاحب کو علامہ محمد اقبال اور مرزا اسداللہ خان غالب کا شارح بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔مہر

صاحب مولانا ظفر علی خان کے اخبار ''زمیندار'' میں صحافتی خدمات سرانجام دیتے رہے بعدازاں اپنا اخبار ''انقلاب'' بھی جاری کیا، انہیں صحافت میں ابوالکلامی طرز سے نسبت تھی۔ مہر صاحب زندگی بھر تحریک آزادی برصغیر کے مختلف مراحل میں نمایاں شریک کار رہے۔

۵ پروفیسر محمد سرور: حضرت سندھیؒ کے پاس مکہ مکرمہ میں دنیا کے مختلف گوشوں سے نامور شخصیات برابر پہنچتی رہیں۔ اسی طرح دنیا بھر سے آنے والے سینکڑوں تشنگان علم نے حضرت سے استفادہ کیا۔ انہی میں ایک نام پروفیسر محمد سرور مرحوم کا ہے۔ پروفیسر صاحب جامعہ ملیہ دہلی میں استاد تھے، انہیں ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم (جو بعد میں ہندوستان کے صدر بنے) نے بطور خاص بھیجا تھا کہ وہ مولانا سندھی کے تلخ وشیریں تجربات، ملک ملک کے مشاہدات ومطالعہ کو ضبط تحریر میں لائیں اور آنے والی نسلوں کے لیے ان کو محفوظ کریں۔ پروفیسر مرحوم رئیس جامعہ ملیہ (ڈاکٹر ذاکر حسین) کے تفویض کردہ کام میں تاحیات مشغول رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کتابیات:

① مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور ان کے ناقدین
تالیف: مولانا سعید احمد اکبرآبادی
تحقیق وتخریج وتعلیقات: مولانا محمود الحسینی
② مولانا عبیداللہ سندھی حالات، تعلیمات، اور سیاسی افکار
مرتبہ: پروفیسر محمد سرور جامعی
③ مولانا عبیداللہ سندھیؒ حیات وخدمات
مرتبہ: ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہانپوری
④ مقالات سندھی سیمینار
(منعقدہ: 1984ء، زیراہتمام: جمعیۃ طلباء اسلام، بمقام: کراچی)
مرتبہ: ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہانپوری
⑤ سرگزشت حیات مولانا عبیداللہ سندھیؒ
اردو ترجمہ وتحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد
⑥ مولانا عبیداللہ انورؒ (شخصیت اور جدوجہد)
مرتبہ: پروفیسر امجد علی شاکر
⑦ مولانا عبیداللہ سندھی ایک شخص سونے جیسا
ناشر: مولانا قطب الدین عابد (کراچی)

حضرت سندھیؒ، حضرت لاہوریؒ، مولانا عبیداللہ انورؒ اور جمعیۃ علماء

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے 1901 میں اپنے استاذ و مربی حضرت شیخ الہند کے حکم پر گوٹھ پیر جھنڈا (حیدرآباد) سندھ میں مدرسہ دارالرشاد قائم کیا جمعیۃ علماء اسلام کی نشاۃ ثانیہ 1956ء کے ملتان اِجلاس میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو امیر منتخب کیا گیا۔ حضرت سندھیؒ اور حضرت لاہوریؒ میں علاقائی، خاندانی پس منظر اور قبولیتِ اسلام کے اَحوال سے گہری مماثلت ہے، حضرت لاہوریؒ کے والد شیخ حبیب اللہؒ نے قبولِ اسلام کے بعد نذر مانی کہ اللہ اولادِ نرینہ عطا کرے گا تو دین کے لیے وقف کر دوں گا۔ حضرت سندھیؒ سندھ سے آبائی وطن گئے تو شیخ حبیب اللہ نے اپنے بیٹے کو اِن کے ساتھ بھیج دیا۔ حضرت لاہوریؒ کی تعلیم و تربیت مدرسہ دارالرشاد میں حضرت سندھیؒ کی نگرانی میں ہوئی، کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے برادران عزیز احمد، محمد علی اور شبیر احمد بھی تعلیم و تربیت کے لیے دارالرشاد پہنچے۔ شیخ حبیب اللہ کے انتقال کے بعد حضرت سندھی نے اِن کی بیوہ سے نکاح کیا، یوں احمد علی اور برادران کی والدہ بھی اِن کے ہمراہ پہنچ گئیں، عزیز احمد اور محمد علی کابل میں حضرت کے ساتھ ساتھ رہے، ترکی وغیرہ میں عزیز احمد نے ساتھ نبھایا، محمد علی مرحوم نے باجوڑ میں نکاح کیا اور وہیں ٹھہر گئے۔ حضرت لاہوریؒ نے اپنے بیٹے مولانا عبیداللہ انور کو حضرت سندھیؒ کی وطن واپسی کے بعد اِن کی خدمت پر مامور کیا۔ مولانا عبیداللہ انورؒ فاضلِ دیوبند تھے۔ شیخ العرب و العجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد تھے، لاہور شہر کے سیاسی عوامی، سماجی اور نظریاتی حلقوں میں انتہائی قابل احترام شخصیت تھے، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے جمعیۃ علماء کو عوامی مقبولیت عطا کی حضرت لاہوریؒ اس کے امیر تھے مولانا عبیداللہ انورؒ کئی سال اس کے صوبائی امیر رہے، بعد ازاں مرکزی امارت پر بھی فائز رہے۔ یوں ہمیں جمعیۃ علماء حضرت سندھیؒ کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔

ناشر: الجمعیۃ میڈیا فاؤنڈیشن

G-521 لیاقت روڈ، راولپنڈی 051-5550686